ĪQĀN- Vol: 02, Issue: 04, Jun-2020
DOI: 10.36755/iqan.v2i04.147 PP: 69-86

OPEN ACCESS
ĪQĀN
pISSN: 2617-3336
eISSN: 2617-3700
www.iqan.com.pk

تقسیمِ پاک وہند کے اردو زبان میں مطالعہ ہندومت پر اثرات

The Impact of the Partition of India on the Study of Hinduism in the Urdu Language

*Dr. Muhammad Akram
Assistant Professor, Department of Comparative Religion,
International Islamic University, Islamabad, Pakistan.

**Dr. Ayesha Qurrat ul Ain
Assistant Professor, Department of Comparative Religion,
International Islamic University, Islamabad, Pakistan.

Version of Record
Received: 12-Jan-20 **Accepted**: 12-May-20
Online/Print: 30-Jun-20

ABSTRACT

Religion, language, and race have been among the most crucial factors behind the formation of various national and communal identities in modern South Asian history. Just like the political division of British India, the complex interplay of these factors also culminated in a bifurcation of linguistic boundaries along the religious lines according to which Urdu became associated with Islam and Muslims. In contrast, Hindi became increasingly connected to the Hindu culture. These historical developments also affected the extent and nature of the academic materials on Hinduism in the Urdu language, which the present paper examines. The paper takes stock of different relevant materials. Then, it discusses how the changed socio-political realities quantitatively and qualitatively affected the works on Hinduism in the Urdu language as the majority of the Hindu scholars lost enthusiasm to write on their religion in Urdu considering its increased perception of being a Muslim language. Muslims in Pakistan, on the other hand, lost opportunities of everyday interaction with Hindus and easy access to the original Hindi and Sanskrit sources resulting in a considerable decline in Hindu studies on their part. Thus, the overall production of literature on Hinduism in the Urdu language declined sharply. By implication, the paper hints at how decisively socio-political and historical contexts bear on the pursuit of the academic study of religion.

***Keywords**: Study of Hinduism, Methodology, Urdu-Hindi Conflict, Identity, Partition of India, Hindu-Muslim Mutual Perceptions, Socio-Political Factors.*

CC BY

تعارف[1]:

مطالعۂ مذاہب کا عصری مضمون اپنی معروضیت کے حوالے سے جانا جاتا ہے، مگر اس شعبے کے ماہرین سے یہ امر بھی پوشیدہ نہیں کہ معاشرتی، سیاسی، اور ثقافتی ماحول بھی لامحالہ علمی ابحاث کا رخ اور تحقیق کا معیار متعین کرنے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ چنانچہ عمرانی اور انسانی علوم کے مناہج اور نظری مباحث سے سروکار رکھنے والے متعدد مفکرین نے اس بات کو باقاعدہ موضوع بحث بنایا ہے کہ سکالرز کی تحقیق معاشرے پر اور معاشرتی عوامل تحقیقی عمل پر کس طرح اثر انداز ہوتے ہیں۔ اسکالرز کی تحقیق کیسے کسی معاشرے کو متاثر کر سکتی ہے، اس کی واضح مثال 'ہندوازم' کی اصطلاح کا عصر حاضر میں مروج ہونا ہے۔ جدید مغربی اسکالرز کی طرف سے متعارف کرائی گئی یہ اصطلاح اب اس حد تک معروف ہو گئی ہے کہ خود ہندو معاشرے نے اسے قبول کر لیا ہے۔[2] دوسری جانب دیکھیں تو مستشرقین کی طرف سے اسلام کے بارے میں بھی 'محمڈن ازم' کی اصطلاح متعارف کرائی تھی، مگر مسلم معاشروں کے عدم قبول کی وجہ سے انہیں اس اصطلاح کو ترک کرنا پڑا۔[3] گویا ایک معاشرتی عامل نے اسکالرز کو اپنی وضع کردہ اصطلاح ترک کر دینے پر مجبور کر دیا۔ معاشرتی عوامل اور علمی تخصصات کی باہمی اثر پذیری کو اگر برصغیر پاک وہند کی جدید سیاسی، ثقافتی، اور مذہبی تاریخ کے تناظر میں دیکھا جائے تو کئی غور طلب حقائق سامنے آتے ہیں۔ اس خطہ میں مذہبی، لسانی، اور جغرافیائی عوامل کو ہندو مسلم قومی شناختوں کی تشکیل کے لیے استعمال میں لایا گیا[4]، جس کا ایک شاخسانہ اردو ہندی تنازعہ بھی تھا جو بعد ازاں برصغیر کی تقسیم کا بھی ایک اہم سبب ثابت ہوا۔ اردو ہندی تنازعے کا ایک دلچسپ پہلو تاریخی سفر کے ساتھ ساتھ اردو زبان میں ہندومت پر علمی مواد کی کمی بیشی اور بدلتی نوعیت ہے۔ موجودہ مقالہ اسی مسئلے کو موضوع بحث بناتا ہے کہ برطانوی عہد کے ہندوستان کی پاک وہند میں تقسیم نے اس حوالے سے ہندو اور مسلمان مصنفین کے کام کے حجم اور معیار کو کیسے اور کس حد تک متاثر کیا؟ مگر اس سوال کو درست سیاق وسباق میں سمجھنے کے لیے پہلے برصغیر کی جدید تاریخ میں اردو ہندی تنازعہ پر روشنی ڈالنا ضروری ہے جس کا قومی اور دینی شناختوں کی تشکیل میں اہم کردار رہا ہے۔

اردو زبان اور ہندو مسلم شناخت:

اردو کو دورِ حاضر میں بجا طور پر برِصغیر کی مسلم شناخت کا اولین حوالہ سمجھا جاتا ہے، لیکن درحقیقت اردو زبان کی نمو اور پرداخت ایک

---

[1]Acknowledgement: This research was funded by the Higher Education Commission of Pakistan under its scheme National Research Project for Universities (NRPU).

[2]King, Richard, *Orientalism and the Modem Myth of Hinduism*, *Numen* 46, no. 2 (1999), 184-185.

[3]Smith, Wilfred Cantwell, *The Meaning and End of Religion* (New York: Mentor Books, 1964), 78.

[4]Gilmartin, David & Bruce B. Lawrence, ed. *Beyond Turk and Hindu: Rethinking Religious Identities in Islamicate South Asia* (Gainesville: University Press of Florida, 2000), 1-20.

ایسے معاشرے میں ہوئی، جہاں دینی اور ثقافتی تنوع اپنے عروج پر تھا۔ زبانوں کے خاندان میں اردو کو ہندی آریائی زبان کے طور پر تسلیم کیا جاتا ہے۔ اس کی بناوٹ، ساخت اور ذخیرۂ الفاظ میں فارسی، ترکی اور عربی کے علاوہ سنسکرت اور دیگر مقامی زبانوں نے قابل ذکر حصہ ڈالا۔ اپنے ابتدائی دور میں اس کو دکنی، ہندوی، ریختہ، اور ہندوستانی وغیرہ کے ناموں سے بھی پکارا جاتا رہا۔ ہندو اور مسلمان دونوں قوموں کے ادبا و شعراء نے اس کو اپنے اظہار ما فی الضمیر کا ذریعہ بنایا۔ ماہرینِ لسانیات کا ماننا ہے کہ اردو پر اپنے ابتدائی دورِ تشکیل میں، باوجود مسلم عہدِ اقتدار کے، سنسکرت کی چھاپ فارسی اور عربی سے زیادہ تھی اور بحیثیت زبان اس کا استعمال مذہب اور قوم کی حدود و قیود سے بالاتر تھا۔[1]

اگر برِ عظیم کی سترہویں اور اٹھارویں صدی کے ادبی و شعری ذخیرے کا جائزہ لیا جائے، تو ہندو اور مسلمان یکساں طور پر اپنی مذہبی، ثقافتی اور شعری تصانیف میں اردو زبان اپنائے ہوئے دکھائی دیتے ہیں، کیوں کہ در حقیقت ادبی و فقہی اور دینی و کلامی پہچان کے ساتھ مخصوص ہونے سے پہلے یہ ایک عوامی زبان تھی، لہٰذا ایسے مصنفین اور مفکرین جو اپنا پیغام عوام تک پہنچانا چاہتے تھے، ان کے لیے اردو سے بہتر کوئی انتخاب نہیں تھا، کیوں کہ ہندوستان کے طول و عرض میں بولی اور سمجھی جانے والی واحد عوامی رابطے کی زبان تھی۔[2] ہندومت اور اسلام ہر دو کے مذہبی متون بھی اردو ہی میں لکھے جاتے تھے، جن میں اسلام پر لکھی جانے والی تحریروں کے علاوہ ہندو شعراء کا نعتیہ کلام، ہندومت کے مقدس نصوص کی تفہیم و تراجم اور ہندومت کی تفہیم کے لیے لکھی جانے والی کتب شامل تھیں۔ نہ صرف ہندو مصنفین، بلکہ مسلمان علماء و مفکرین نے بھی ہندومت کے متعلق اپنی آراء، فہم و تنقید اور اسلامی مؤقف کا خلاصہ اردو ہی میں پیش کیا۔ ان تحریروں سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ مغل بادشاہت کے خاتمے اور انگریزی دورِ حکومت کے آغاز سے پہلے اردو کو ہرگز مسلم شناخت کا نمونہ تصور نہ کیا جاتا تھا، بلکہ فارسی زبان کو سرکاری زبان ہونے کے ساتھ ساتھ مسلم نمائندہ زبان تصور کیا جاتا تھا اور یہی مسلم علماء کا محاورہ اور اشراف کا ذریعۂ اظہار مافی الضمیر تھی۔

انیسویں اور بیسویں صدی میں اردو کو بحیثیت مسلم زبان متعارف کرانے کا رجحان پیدا ہوا اور پروان چڑھتا گیا۔ امرت رائے (۱۹۹۶ء) نے اس امر کو باقاعدہ تحقیق سے ثابت کیا ہے کہ رسم الخط، بنیادی ساخت اور ثقافتی تشبیہات واستعارات کا جو واضح فرق آج کے دور میں مستعمل ہندی اور اردو میں دکھائی دیتا ہے، یہ درحقیقت تبھی وجود میں آیا، جب دانستہ طور پر ہندی کو سنسکرت اور اردو کو عربی وفارسی زبان و ثقافت کی روشنی میں از سرِ نو مرتب کیا گیا۔[3] اس عمل کو طارق رحمان نے "اردو کو اسلامیانے" کا نام دیا ہے[4] اور یہی وہ دور ہے جب شمالی ہند میں اردو کو مسلم ثقافتی شناخت کا ایک لازمی جزء قرار دیا گیا۔ اس عمل میں جن مسلمان علماء وصوفیاء نے

[1]Rahman, Tariq, *Urdu and the Muslim Identity: Standardization of Urdu in the Eighteenth and Early Nineteenth Centuries*, *Annual of Urdu Studies* 25 (2010), 83-107.

[2]Hamidullah, Muhammad, *Cultural and Intellectual History of Indian Islam*, *Die Welt des Islams* 3 no. 3/4 (1954), 127-144.

[3]Rai, Amrit, *A House Divided: The Origin and Development of Hindi-Urdu* (Delhi: Oxford University Press, 1991), 226-284.

[4]Rahman, Tariq, *Urdu as an Islamic Language*, *The Annual of Urdu Studies* 21:6 (2010), 101-119.

نمایاں کردار ادا کیا، ان میں مرزا مظہر جانِ جاناں (۱۷۸۱ء) کا نام سرِ فہرست ہے۔ان کی نثر اور شاعری نے اردو کو فارسی تشبیہات واستعارات نیز ثقافتی طرزِ تفکیر سے روشناس کیا، پھر مرزا سودا (۱۷۸۱ء) اور امام بخش ناسخ (۱۸۳۸ء) کے کلام سے اس رجحان کی بڑھوتری میں قابلِ ذکر پیش رفت ہوئی۔

اس بات کا سمجھنا اشد ضروری ہے کہ اٹھارویں اور انیسویں صدی میں ہندوستانی اردو کو معاشرے میں قبولِ عام حاصل تھا اور یہ زبان پورے ہندوستان میں بولی اور سمجھی جانے کے ناطے رابطۂ عام کا کردار ادا کرتی تھی، لہٰذا اس کا مسلم شناخت کے ساتھ نتھی ہو جانا ہندو مفکرین اور مصنفین کے لیے از حد پریشانی کا سبب بنا، کیوں کہ ان میں سے جو لوگ اس بات کے خواہش مند تھے کہ ان کی تخلیقات کو پورے ہند میں زبان ومذہب سے قطع نظر قبولِ عام نصیب ہو، ان کے لیے اردو کے علاوہ کسی اور زبان کا انتخاب امرِ محال تھا، تاہم ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے بعد کے پسِ منظر اور بیسویں صدی کے آغاز میں سامنے آنے والے روز افزوں ہندو مسلم اختلافات کے باعث ہندو لکھنے والوں کے لیے اردو کو ذریعۂ اظہار بنانا مشکل تر ہوتا گیا، گیان چند (۲۰۰۷ء) نے اپنی کتاب میں اس بات کا خصوصی طور پر شکوہ کیا ہے۔[1]

پاکستان کے مؤرخین اردو زبان کی اس تبدیلی کو عین فطری بلکہ ضروری قرار دیتے ہیں۔[2] جمیل جالبی (۲۰۱۹ء) کی رائے میں اردو کا مسلم ثقافت کی پہچان بننا اور ہندی ماحول اور تاثیر سے مستغنی وبے زار ہونا وقت کی پکار کے عین مطابق ایک قدرتی تاریخی عمل تھا۔[3] اس طرح معین الدین عقیل صاحب بھی مرزا مظہر جانِ جاناں کو سراہتے ہوئے کہتے ہیں کہ انہی کی کوششوں سے اردو کو ایک مستقل ادبی شناخت میسر آئی، جو اپنی اصل میں فارسی مسلم ثقافتی اقدار سے قریب تر اور ہندی زبان وادب سے پاک تھی۔

انگریزی سرکار کی آمد کے بعد پیدا ہونے والے ہندو مسلم اختلافات اور تہذیبی کشاکش نے بالآخر اردو کو مسلمانوں کے لیے مخصوص کر دیا اور تحریکِ پاکستان کے دوران مذہبِ اسلام کے ساتھ ساتھ اردو زبان نے بھی مسلم ملی وثقافتی تشخص کی تشکیل میں اہم کردار ادا کیا، لہٰذا پاکستان کے وجود میں آتے ہی اردو کو برِ صغیر کے مسلمانوں کی نمائندہ جماعت ہونے کے ناطے پاکستان کی قومی زبان قرار دے دیا گیا۔ایک صدی سے زائد عرصہ پر محیط اردو ہندی تنازعے کا بغور مطالعہ ہمیں یہ سمجھنے میں مدد دیتا ہے کہ زبان کی علامتی حیثیت کسی بھی ثقافت کی تشکیل اور اس کی مخصوص تہذیبی شناخت کی تخلیق اور پرداخت میں بنیادی اہمیت حاصل ہے۔

مندرجہ بالا لسانی سفر کی روشنی میں یہ واضح ہو جاتا ہے کہ اردو ہندی تنازعہ اور تقسیم پاک وہند کا اردو زبان میں ہندومت پر علمی مواد کے حجم اور معیار پر اثر کے حوالے سے سوال کتنا برمحل اور اہم ہے؟ اس مقالے کے بنیادی سوال کے دو پہلو بنتے ہیں:

ایک مقداری (Quantitative) اور دوسرا معیاری (Qualitative)

---

[1] گیان چند جین، **ایک بھاشا: دو لکھاوٹ، دو ادب** (دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، ۲۰۰۵ء)، ۲۰۰-۲۱۵.

[2] جالبی، جمیل، **تاریخ ادب اردو** (لاہور: مجلسِ تحقیقِ اردو، ۱۹۷۸ء)، ۱۹۳.

[3] عقیل، معین الدین، **تحریکِ آزادی میں اردو کا حصہ** (لاہور: مجلس ترقی ادب، ۲۰۰۸ء)، ۵۸.

بالفاظ دیگر ایک تو یہ کہ تقسیم پاک و ہند کے نتیجے اردو زبان میں ہندومت پر کتب کی تعداد میں کیا فرق پڑا اور دوسرے یہ کہ اردو میں مطالعۂ ہندومت کے علمی معیار پر کیا اثرات نظر آتے ہیں۔ ذیل میں ان دونوں پہلوؤں پر بحث کی جاتی ہے۔

تقسیم ہند سے قبل اور بعد از تقسیم مطالعۂ ہندومت کا مقداری پہلو (Quantitative Dimension):

موضوع بحث کو مقداری پہلو سے جانچنے کے لیے اردو زبان میں لکھی گئی ہندومت پر کتب کی ایک حتی المقدور جامع فہرست تیار کی گئی، جس کی تیاری کے لیے سب سے پہلا مصدر محمد عزیر کی کتاب: **اسلام کے علاوہ مذاہب کی ترویج میں اردو کا حصہ** ثابت ہوئی۔ یہ کتاب مصنف کے پی ایچ ڈی کے مقالے پر مشتمل ہے، جسے پہلی مرتبہ انجمن ترقی اردو (ہند) نے ۱۹۵۵ء میں کتابی صورت میں شائع کیا تھا۔ اس کتاب میں ہندومت کے بنیادی عقائد اور فرقوں کا ایک بلند پایہ علمی تعارف تو پیش کیا ہی گیا، لیکن کتاب کی اصل اہمیت اردو زبان میں مختلف مذاہب پر لکھی گئی کتب کی ایک جامع اشاریہ بندی ہے۔ اس کتاب میں ہندومت پر کل ۱۸۸ کتب و تراجم کا ذکر کیا گیا ہے۔[1] اس کے علاوہ انجمن ترقی اردو پاکستان کی طرف سے ۱۹۸۷ء میں شائع کی گئی **قاموس الکتب اردو** کی جلد اول۔ جو مذہبیات پر ہے۔ نہایت مفید ثابت ہوئی۔ اس وقیع کتابیات میں ہندومت پر ۲۷ کتب شامل ہیں[2]، مگر متعدد کتب کے حوالہ جات مکمل نہیں تھے، جن میں سے زیادہ تر کو دوسرے مصادر کو سامنے رکھ کر مکمل کر لیا گیا، پھر بھی چند ایک کتب کا حوالہ نامکمل رہ گیا ہے، جن کو بامر مجبوری اسی طرح شامل کر لیا گیا، سوائے مذکورہ کتابیات کی آخری ایک کتاب کے، کہ جس کے حوالہ میں صرف 'پرکاش گلزار، گوجرانوالہ' تحریر تھا، جسے ہم سمجھ نہیں سکے، اس لیے اس کو حذف کرنا مناسب سمجھا۔ چناں چہ ان کتابوں میں سے جو **اسلام کے علاوہ مذاہب کی ترویج میں اردو کا حصہ** میں پہلے ہی آ چکی تھیں ان کو چھوڑ کر **قاموس الکتب اردو** کی مدد سے ۴۲ کتب کا اضافہ کیا گیا۔ ان دو کتب کے بعد اس حوالے سے ایک بہت ہی وقیع مصدر اے جے مالوی کی کتاب **اردو میں ہندو دھرم** ثابت ہوئی، جو ۲۰۰۰ء میں شائع ہوئی۔ یہ کتاب بھی مصنف کی پی ایچ ڈی کے مقالے پر مشتمل ہے۔ اس کتاب میں ہندومت کے بنیادی مصادر اور مفاہیم کے اعتبار سے ابواب بندی کی گئی ہے، مگر ہمارے مقالے کے نقطۂ نظر سے اہم ترین بات یہ ہے کہ ہر باب کے آخر میں متعلقہ موضوع پر اردو کتب کی ایک تفصیلی کتابیات بھی پیش کی گئی۔[3] اس کتاب میں کل ۸۲۸ کتب کو مختلف ابواب کے آخر میں نوٹ کیا گیا۔ ان میں سے جو پہلے ہی ہماری فہرست میں شامل ہو چکی تھیں ان کو چھوڑ کر ۶۳۳ کتب کا اضافہ ہو گیا۔

یہ تینوں مصادر ۲۰۰۰ء سے پہلے تعلق رکھتے ہیں، اس لیے ممکنہ طور پر باقی رہ جانے والی اور اس عرصے کے بعد چھپنے والی کتب کو شامل کرنا ضروری تھا، تاکہ زیر نظر مواد کی جامعیت کو یقینی بنایا جاسکے۔ چناں چہ مختلف کتب خانوں کی چھان پھٹک کے علاوہ آن لائن مآخذ جیسے کہ rekhta.org، archive.org اور کانگریس لائبریری (امریکہ) کی آن لائن کیٹلاگ وغیرہ سے بھرپور استفادہ کیا گیا۔

---

[1] محمد عزیر، **اسلام کے علاوہ مذاہب کی ترویج میں اردو کا حصہ** (نئی دلی: انجمن ترقی اردو، ۱۹۸۹ء)، ۱۹۳-۳۰۔

[2] مولوی، عبدالحق، **قاموس الکتب اردو، جلد اول: مذہبیات** (کراچی: انجمن ترقی اردو پاکستان، ۱۹۶۱ء)، ۱۱۷۶-۱۱۰۱۔

[3] دیکھیے: اے جے مالوی، **اردو میں ہندو دھرم** (الہ آباد: اے جے مالوی/انصاری آفسٹ، ۲۰۰۰ء)۔

اس طرح فہرست کی تکمیل کے علاوہ بعض کتب کے ناقص پبلی کیشن ڈیٹا کو ممکنہ حد تک مکمل کر لیا گیا۔ اس طرح ہم نے مزید ۱۱۳ کتب کا اضافہ کیا۔ یوں ہمارے پاس اردو زبان میں ہندو مت پر لکھی گئی ۹۷۶ کتب پر مشتمل ایک جامع فہرست تیار ہو گئی، جسے زیر نظر مقالے میں مقداری اشاریوں کے تجزیے کی بنیاد بنایا گیا ہے۔[1]

پھر جمع کردہ فہرست کی قبل از تقسیم اور بعد از تقسیم، نیز مسلم اور ہندو مصنفین کے لحاظ سے درجہ بندی کی گئی، تاکہ مقالے کے بنیادی سوال کا جواب تلاش کیا جا سکے، مگر اس درجہ بندی کے حوالے سے یہاں کچھ امور کی وضاحت ضروری ہے۔ ایک یہ کہ اگرچہ کچھ مصنفین کی انفرادی سوانح پیش نظر رکھی گئیں، مگر بالعموم مصنفین کے مسلمان یا ہندو ہونے کا اعتبار ان کے ناموں کو مد نظر رکھ کر کیا گیا، جس میں غلطی کا امکان ہو سکتا ہے، اس لئے اس تحلیل و تجزیہ کو کسی مصنف کے مذہب کے بارے میں حتمی حکم کے طور پر نہ لیا جائے۔ دوسرے یہ کہ متعدد کتب پر سن اشاعت موجود نہیں ہے، ان میں سے کچھ کی تاریخ اشاعت کے بارے میں خارجی قرائن سے اندازہ لگا کر انہیں قبل یا بعد از تقسیم زمروں میں شامل کر لیا گیا۔ ان قرائن میں مصنف کا زمانہ، طرز اشاعت، اشاعتی ادارہ، اور زبان و محاورہ وغیرہ شامل ہیں۔ بہر حال اس ضمن میں بھی غلطی کے امکان سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ جن کتب کے قبل یا بعد از تقسیم ہند کے حوالے سے کوئی قرینہ بھی نہ تھا، ان کو سن اشاعت ندارد کے زمرے میں الگ کر لیا گیا۔ بہر حال اس طرح کی چند ایک امکانی غلطیوں سے عمومی نتائج بحث پر کوئی قابل ذکر اثر نہیں پڑے گا۔ تیسرے یہ کہ بعض کتب اصل میں تو ہندو مصنفین کی تھیں، مگر ان کا اردو ترجمہ کرنے والے مسلمان سکالرز تھے، ایسے تراجم کو بھی مقالے کی درجہ بندی میں مسلمانوں کے کام طور پر شامل کیا گیا ہے۔ نیز جس کتابیات پر تجزیے کی بنیاد رکھی گئی ہے، یہاں اس کی حتمی جامعیت کا دعویٰ نہیں کیا جا رہا، مگر اتنا کہا جا سکتا ہے کہ یہ اتنی حد تک جامع ضرور ہے کہ اب اس میں مزید امکانی اضافہ مختلف پہلوؤں سے کی گئی درجہ بندی اور ان کے نتیجے میں سامنے آنے والے اشاریوں میں تناسب کے اعتبار سے کوئی قابل ذکر فرق نہ ڈالے گا۔

اردو زبان میں ہندو مت پر ۹۷۶ کتب پر مشتمل اس فہرست میں ما قبل اور ما بعد تقسیم ہند، نیز ہندو اور مسلمان مصنفین کی کتب اور تراجم سب شامل ہیں۔ اس چھان پھٹک اور درجہ بندی کے نتیجے میں یہ قدرے حیرت انگیز حقیقت سامنے آتی ہے کہ آج تک مجموعی طور پر اردو زبان میں ہندو مت پر لکھنے والوں میں ہندو مصنفین کا تناسب بہت زیادہ رہا ہے۔ چناں چہ کل ۹۷۶ میں سے ۸۲۴ کتب ہندو مصنفین یا مؤلفین کی ہیں اور صرف ۱۵۲ مسلمان مصنفین کی طرف سے لکھی یا تالیف کی گئی ہیں، جب کہ ۰۷ کتب ہندو اور مسلمان مصنفین کی مشترکہ کاوش ہیں۔

ذیل میں **چارٹ نمبر ۱**، ہندو اور مسلمان مصنفین کی تعداد کے فرق کو صوری طور پر واضح کرتا ہے۔ اس چارٹ میں ہندو مسلم مشترکہ کاوشوں کو تعداد کے لحاظ سے معمولی ہونے کی وجہ سے نظر انداز کر دیا گیا ہے؛

[1] بعد ازاں اس فہرست کو ہندو مت پر کام کرنے والے اردو دان محققین کے لیے الگ سے کتابیات کی شکل میں شائع کر دیا جائے گا۔

چارٹ ا: اردو زبان میں ہندومت پر لکھنے والے ہندو اور مسلمان مصنفین:

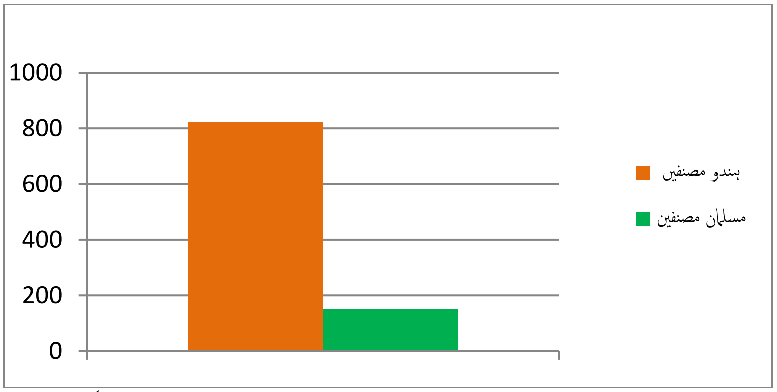

اس مقداری تحقیق کے نتیجے میں دوسرا اہم ترین نقطہ یہ سامنے آتا ہے کہ تقسیم کے بعد اردو میں ہندومت پر لکھی گئی مجموعی کتب کی تعداد بہت کم ہو جاتی ہے۔ چناں چہ اس لحاظ سے دیکھیں تو ۹۷۶ میں سے قبل از تقسیم لکھی گئی کتب کی تعداد ۴۹۸ تھی، جب کہ بعد از تقسیم لکھی گئی کتب کی تعداد ۱۹۹ ہے، جب کہ ۲۶۹ کتب کا سن اشاعت مذکور نہیں، مگر قیاس یہی ہے کہ ان میں سے بہت بڑی تعداد قبل از تقسیم کے زمانے سے تعلق رکھتی ہے، جب کتابوں کی مکمل اشاعتی معلومات فراہم کرنے کا رواج ابھی مستحکم نہ ہوا تھا۔

چارٹ نمبر ۲ اس فرق کو صوری طور پر نمایاں کرتا ہے؛

چارٹ ۲: قبل اور بعد از تقسیم ہند اردو زبان میں ہندومت پر لکھی گئی کتب:

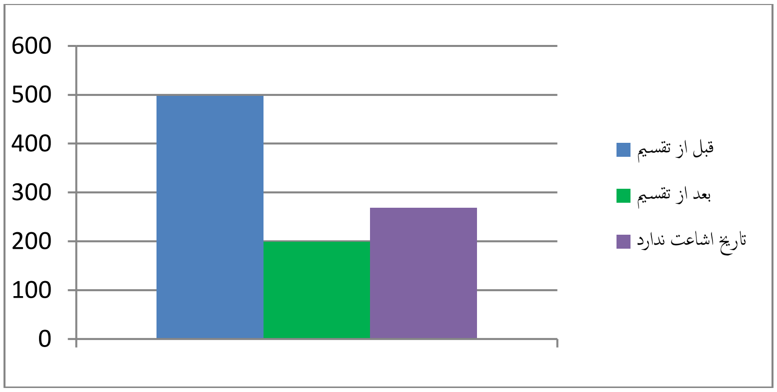

اس درجہ بندی کی مزید تفصیل میں جائیں تو قبل از تقسیم ہندو و مسلم مصنفین کا تناسب بہت زیادہ تھا۔ چناں چہ جن کتب کا سن اشاعت معلوم نہیں، اگر ان کا اعتبار نہ کریں تو ۴۹۸ کتب، جن کے بارے میں یقین سے معلوم ہے کہ وہ قبل از تقسیم لکھی گئیں، ان میں سے صرف ۳۳ مسلمان مصنفین کی طرف سے لکھی گئیں، اور باقی سب ہندو مصنفین کی طرف سے۔

اس فرق کو **چارٹ نمبر ۳** صوری طور پر نمایاں کرتا ہے؛

چارٹ ۳: قبل از تقسیم ہند مسلم اور ہندو مصنفین کا تناسب:

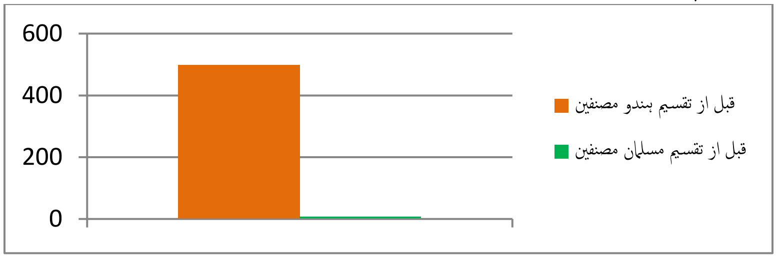

پھر یہ حیرت انگیز بات یہ سامنے آئی ہے کہ بعد از تقسیم ہندو اور مسلمان مصنفین کی طرف سے اردو میں ہندومت پر لکھنے والوں کی تعداد میں بہت ہی معمولی سا فرق رہ جاتا ہے۔ چناں چہ اس زمرے کی کل ۱۹۹ کتب میں سے ۱۰۹ ہندو مصنفین کی لکھی ہوئیں ہیں اور مسلمان مصنفین کی تحریر کردہ کتب یا تراجم و شروح کی تعداد ۸۳ ہے۔

چارٹ نمبر ۴ اس رجحان کو صوری طور پر واضح کرتا ہے۔ اس دور میں ۷ کتب ہندو اور مسلمان مصنفین کی مشترکہ کاوش ہیں جن کی تعداد معمولی ہونے کی وجہ سے انہیں چارٹ بناتے وقت نظر انداز کر دیا گیا ہے؛

چارٹ ۴: بعد از تقسیم ہندو اور مسلمان مصنفین کا تناسب:

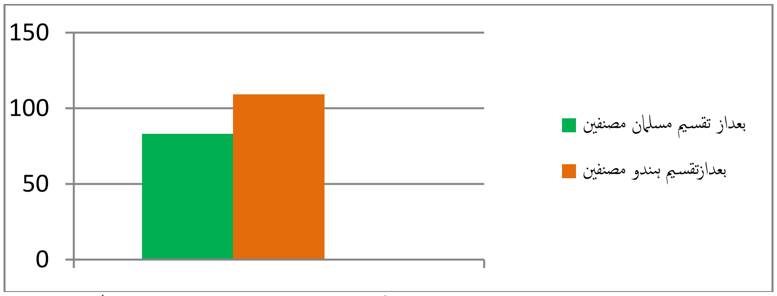

گویا بعد از تقسیم ہندوؤں کی طرف سے اردو زبان میں ہندومت پر لکھنے کا رجحان یک لخت بہت ہی زیادہ کم ہو جاتا ہے، جب کہ مسلمان مصنفین کی طرف سے کچھ بڑھ جاتا ہے۔

قبل اور بعد از تقسیم ہند مطالعۂ ہندومت کا معیاری تجزیہ (Qualitative Analysis):

الف: ہندو مصنفین:

اوپر مذکور مقداری اشاریوں کو اگر اردو ہندی تنازع اور اس کا قومی شناختوں کی تشکیل کے کردار کے تناظر میں دیکھا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ تقسیم بر صغیر تک ہندو لکھاریوں کے ہاں اردو زبان کو مافی الضمیر کے اظہار کے ذریعے کے طور پر قبولیت حاصل تھی، گویا کہ اردو ہندی تنازع کے باوجود تمام ہندو اہل دانش اردو بیزار نہ تھے اور تقسیم سے کچھ پہلے تک ہندو مصنفین کی طرف سے ہندو دھرم کے مختلف پہلوؤں پر علمی طور پر وقیع کتب لکھی جاتی رہیں۔ اس زمانے میں بطور خاص مطبع منشی نول کشور، لکھنؤ سے اردو میں

اعلی پائے کی کتب چھپ رہی تھیں، جن میں اسلام اور ہندومت ہر دو مذاہب سے متعلق کتب شامل تھیں۔ اس زمانے کی کتب میں ہندومت کے بیشتر اصلی مصادر کے تراجم کی ایک بڑی تعداد شامل تھی، مثلا: منشی رام جگیا سو کا رگ وید کا ترجمہ؛[1] بابو پیارے لال اور منشی سورج نرائن مہر دہلوی کے اپ نشدوں کے تراجم؛[2] بابو بھگوان بھار گو، منشی سوامی دیال، پنڈت دینا ناتھ مدن، لالہ نین سکھ رائے، منشی شیام سندر لال، منشی بشیشور پرشاد منور لکھنوی، منشی دیبی پرشاد، منشی جگن ناتھ پرشاد عارف، پربھو دیال مصر عاشق کی طرف سے کیے گئے بھگوت گیتا کے تراجم؛[3] منشی شکر دیال فرحت، منشی پر میشر دیال، منشی دوار کا پرشاد افق لکھنوی، اور جگ ناتھ خوشتر کے قلم سے رامائن کے اردو تراجم؛[4] منشی سری رام ماتھر اور بابو جوالا پرشاد بھار گو کے مہا بھارت کے تراجم؛[5] لالہ سوامی دیال، آتمارام اور کرپا رام شرما جگرانوی کے منو سمرتی کے تراجم؛[6] منشی شکر دیال فرحت کے شیو پوران[7] اور گنیش پوران[8] کے تراجم؛ پنڈت امر ناتھ مدن

---

[1] منشی رام جگیاسو (مترجم)، **رگ وید آدی بھاش بھومکا** (جالندھر: ست دھرم پرچارک، ۱۸۹۸ء).

[2] بابو پیارے لال (مترجم)، **مجموعہ اپ نشد** (علی گڑھ: ودیا ساگر پریس، ۱۹۰۰ء)؛ منشی سورج نرائن مہر دہلوی، **اپ نشد مع شرح**، چار جلدیں (دہلی: سادھو پریس، ۱۹۱۷ء).

[3] بابو بھگوان بھار گو، مترجم، **بھگوت گیتا** (لکھنؤ: نول کشور، ۱۹۴۵ء)؛ منشی سوامی دیال، مترجم، **شری مد بھگوت** (لکھنؤ: مطبع نول کشور، ۱۹۲۳ء)؛ پنڈت دینا ناتھ مدن، مترجم، **مخزنِ اسرار، ترجمہ: گیتا** (متھرا: رام نرائن پریس، ۱۹۲۱ء)؛ لالہ نین سکھ رائے، مترجم، **ٹیکا سری مد بھاگوت** (دہلی: امپریل بک ڈپو پریس، تاریخ ندارد)؛ منشی شیام سندر لال، مترجم، **بھگوت گیتا** (لکھنؤ: مطبع نول کشور، ۱۸۸۹ء)؛ منشی بشیشور پرشاد منور لکھنوی، مترجم، **بھگوت گیتا: نسیم عرفان منظوم** (دہلی: کارونیشن پرنٹنگ پریس، ۱۹۴۵ء)؛ منشی دیبی پرشاد، مترجم، **بھگوت گیتا** (میرٹھ: رام پریس، ۱۹۱۳ء)؛ منشی جگن ناتھ پرشاد عارف (مترجم)، **شری مد بھگوت گیتا: سرچشمہ عرفان** (میرٹھ: نامی پریس، ۱۹۲۲ء)؛ پربھو دیال مصر عاشق، **شری مد بھگوت گیتا، منظوم: غذائے روح** (لکھنؤ: مطبع نول کشور، ۱۸۸۹ء).

[4] منشی شنکر دیال فرحت (مترجم)، **رامائن: اردو منظوم** (کانپور: مطبع منشی نول کشور، ۱۸۶۸ء)؛ منشی پر میشر دیال (مترجم)، **رامائن بالمیکی** (لکھنؤ: مطبع نول کشور، ۱۹۱۶ء)؛ منشی دوار کا پرشاد افق لکھنوی، **مکمل رامائن بالمیکی** (لاہور: کپور آرٹ پرنٹنگ ورکس، ۱۹۲۱ء)؛ جگ ناتھ خوشتر، **رامائن خوشتر منظوم** (لکھنؤ: مطبع نول کشور، ۱۹۲۴ء).

[5] منشی سری رام ماتھر (مترجم)، **سری رام کرت مہابھارت** (میرٹھ: مطبع ودیا درپن، تاریخ ندارد)؛ بابو بھگوان بھار گو (مترجم)، **بھگوت گیتا** (لکھنؤ: نول کشور، ۱۹۴۵ء)

[6] لالہ سوامی دیال (مترجم)، **منو سمرتی** (لکھنؤ: مطبع نول کشور، ۱۸۸۹ء)؛ آتمارام (مترجم)، **منو سمرتی**، (لاہور: واشنگٹن پریس، تاریخ ندارد)؛ کرپا رام شرما جگرانوی (مترجم)، **منو سمرتی** (دہلی: ویدک دھرم پریس، تاریخ ندارد).

[7] منشی شنکر دیال فرحت (مترجم)، **شیو پوران** (لکھنؤ: نول کشور، تاریخ ندارد).

[8] منشی شنکر دیال فرحت (مترجم)، **گنیش پوران منظوم** (لکھنؤ: مطبع نول کشور، ۱۸۶۳ء).

ساحر دہلوی کا وشنو پوران کا ترجمہ؛[1] ہردیال شرما کا کلکی پوران کا ترجمہ؛[2] اور منشی تلسی رام اور بابو شیو برت لال کے بھگت مال کے تراجم۔[3] گویا کہ ویدک ادب سے لیکر مہابھارت اور رامائن تک اور منو سمرتی سے لیکر پورانوں تک تقریباً ہر طرح کی اور ہر زمانے سے ہندومت کی مقدس کتب کے اردو زبان میں تراجم ہو رہے تھے۔ اس کے علاوہ ہندو مصنفین، قدامت وید[4]، صداقت وید[5]، ویدوں کی عظمت[6]، ویدک دھرم اور سائنس[7]، مذہب کا مقصد[8]، فلسفہ ویدانت[9]، بھگتی اور ویدانت کا آپس میں تعلق[10]، فلسفہ گیتا[11]، ہندو فرقوں[12] اور ہندو تیوہاروں[13] جیسے متنوع اور اچھوتے موضوعات پر علمی کتابیں لکھ رہے تھے۔

اس مرحلے کے ہندو مصنفین کے زبان و بیان اور موضوعات کے انتخاب سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اردو زبان کو ہندومت کی اشاعت اور کائنات کے بارے میں اپنے نقطۂ نظر کو ہندو عوام تک پہنچانے کے لیے استعمال کیا۔ ان میں سے اکثر مصنفین خود پنڈت تھے، جو اپنے مذہب کی بنیادی اصطلاحات سے واقف تھے اور اس کی کتب مقدسہ کی اصل زبانوں کو جانتے تھے، اس لیے اس اردو ذخیرے میں ہندومت کی مستند تعلیمات ملتی ہیں، جس سے آج بھی ہندومت پر تحقیق کرنے والے استفادہ کر سکتے ہیں۔

---

[1] پنڈت امر ناتھ مدن ساحر دہلوی (مترجم)، **وشنو پوران** (متھرا: رام نارائن پریس، ۱۹۱۵ء).

[2] ہردیال شرما (مترجم)، **کلکی پوران** (میرٹھ: صادق المطابع، ۱۸۹۷ء).

[3] منشی تلسی رام (مترجم)، **بھگت مال** (لکھنؤ: مطبع نول کشور، ۱۸۸۰ء)؛ بابو شیو برت لال (مترجم)، **نیا بھگت مال** (لکھنؤ: ہندوستانی پریس، تاریخ ندارد).

[4] گوبھردھن مہاشے، **قدامت وید** (دہلی: دلی پرنٹنگ پریس، تاریخ ندارد).

[5] درگا پرشاد، **صداقت وید دھرم**، حصہ دوم (دہلی: دلی پرنٹنگ ورکس، تاریخ ندارد).

[6] کرپارام شرما، **ویدوں کی عظمت** (لاہور: مفید عام پریس، ۱۹۰۲ء).

[7] پنڈت بشن نرائن، **ویدک دھرم اور سائنس**، جلد اول (لاہور: سیوک سٹیم پریس، ۱۹۱۳ء).

[8] پنڈت چموپتی، **مذہب کا مقصد** (لاہور: لکھینا اسٹیم پریس، ۱۹۲۳ء).

[9] رکھی کیش رام موہن، **ویدانت** (لاہور: مرکنٹائل پریس، ۱۹۲۴ء).

[10] سوامی وویکانند، **بھگتی اور ویدانت**، مترجم: شانتی نارائن (لاہور: مفید عام پریس، تاریخ ندارد).

[11] منشی سورج نرائن مہر دہلوی، **فلسفہ گیتا** (دہلی: سادھو پریس، ۱۹۱۱ء).

[12] سمپر رائے، **ہندو فرقے** (لاہور: سچیت کتاب گھر، ۱۹۰۶ء).

[13] منشی رام پرشاد، **ہندو تیوہاروں کی اصلیت اور ان کی جغرافیائی کیفیت** (لاہور: مفید عام پریس، ۱۹۲۵ء)؛ نیز دیکھیے مُنشی رام پرشاد ماتھر، **ہندو تیوہاروں کی دلچسپ اصلیت** (لکھنؤ: دی فائن پریس، ۱۹۲۴ء)؛ لالہ دیوان چند گڈھوک، **آریا جاتی کے تیوہار** (لاہور: گردھرم اسٹیم پریس، ۱۹۲۶ء).

بعد از تقسیم ہندو مصنفین کی جانب سے اردو زبان کو وسیلۂ اظہار بنانے کے رجحان میں واضح کمی نظر آتی ہے اور وقت کے ساتھ ساتھ یہ رجحان تقریباً معدوم ہوتا نظر آ رہا ہے۔ اس مرحلے میں صرف ہندوستان میں اکا دکا ایسی تحریریں نظر آتی ہیں جو ہندو مقدس متون کے تراجم، معروف ہندو شخصیات (سیاسی و سماجی) کے کارہائے نمایاں، یادداشتوں اور مکاتیب یا پھر مقامی ہندو آبادی کے مسائل پر مشتمل ہیں۔[1] اس کے علاوہ ہندو مصنفین کی جانب سے اردو میں کوئی زیادہ طبع آزمائی نہیں کی گئی۔ اس کی بنیادی وجہ ہندو مسلم تعلقات کا سیاسی مصالح و مقاصد کے تابع ہو جانا اور اردو زبان کا مسلم شناخت کے ساتھ خاص ہو جانا ہے۔ یوں تقسیم کے بعد ہندو قلم کاروں نے رفتہ رفتہ مذہبی موضوعات سمیت اردو میں لکھنا بہت حد تک کم کر دیا۔

دراصل برصغیر کی تقسیم کے موقع پر جیسے مسلمانوں نے اردو کو مسلم شناخت کا لازمی حصہ تصور کیا، اسی طرح ہندو کمیونٹی کے ہاں اسے ہندو دشمن زبان کے طور پر لیا جانے لگا اور تقسیم کے بعد ہندوستان میں اردو کو خاصے امتیازی سلوک کا سامنا کرنا پڑا اور ابوالکلام آزاد اور ڈاکٹر ذاکر حسین جیسے مسلمان اردو پسند راہ نماؤں کی کوششوں کے باوجود اردو کو زیادہ پذیرائی نہ مل سکی۔ شمس الرحمٰن فاروقی کے مطابق اردو زبان کا ناکردہ جرم یہ تھا کہ وہ ہندوستان کی تقسیم کا سبب بنی، لہٰذا ہندوستان کی تقسیم کے فوراً بعد اردو سے نفرت اور بے زاری کا یہ عالم تھا کہ اسے سیکھنا اعلیٰ تعلیم اور اچھے روزگار کے مواقع سے ہاتھ دھو لینے کے مترادف تھا۔[2] ہندو تو ایک طرف، مسلمان کمیونٹی بھی اردو کو مذہبی و ثقافتی تخلیقات کے لیے استعمال کرنے میں قدرے متردد رہنے لگی۔ اس حوالے سے اجے مالوی رقم طراز ہیں:

> "اردو فرقہ پرستی کا شکار ہو کر رہ گئی۔ فرقہ پرستوں نے اسے مسلمانوں کی زبان کہہ دیا۔ اس پروپگنڈے کا شکار وہ لوگ بھی ہوئے جو بظاہر فرقہ واریت کے خلاف برسرپکار رہتے ہیں۔ کتنی عجیب مگر سچی بات ہے کہ اردو کو مسلمانوں کی زبان قرار دینے میں مسلم فرقہ پرست اور ہندو فرقہ پرست یکسر ہم آہنگ ہیں"[3]

یاد رہے کہ اس اقتباس میں مصنف ہندو اور مسلم شناختوں کو فرقہ واریت سے تعبیر کر رہے ہیں۔ بہر حال بیشتر ہندو مفکرین کا اپنے ما فی الضمیر کے اظہار کے لیے اردو کو ترک کر دینے کا ایک بنیادی سبب اس کی اسلامی شناخت ہے۔

اگر بطور خاص اسلامی جمہوریہ پاکستان کی ہندو اقلیت کی جانب سے ہندومت پر لکھی جانے والی تصانیف کی بات کی جائے، تو معلوم ہوتا ہے کہ اس باب میں سنجیدہ علمی کاوشیں تقریباً عنقا ہیں، چناں چہ تلاش بسیار کے باوجود کسی پاکستانی ہندو سکالر کی جانب سے اردو زبان

---

[1] مثلاً دیکھیے: گوپی چند نارنگ، **پرانوں کی کہانی** (نئی دہلی: نیشنل بک ٹرسٹ انڈیا، ۱۹۷۶ء)؛ رائے ٹھاکر دت دھون، **ویدک دھرم پرچار** (لکھنؤ: مطبع نول کشور، ۱۹۵۳ء).

[2] Farouqui, Ather, *The Problem of Urdu in India- Political or Existential? An Interview with S.R. Faruqi*, *Annual of Urdu Studies* 10 (1995), 157-167.

[3] اجے مالوی، **اردو میں ہندو دھرم**، ۱۱

میں ہندومت پر کوئی علمی کام ہماری معلومات میں نہیں آ سکا۔ اگر کوئی اکادکا تحریریں پائی جاتی ہیں تو ان کا محور ہندو اقلیت کے سماجی اور معاشرتی مسائل ہے اور وہ بھی کتابوں یا مقالہ جات کی بجائے پمفلٹ، کتابچوں یا اخبار میں شائع ہونے والے کالموں کی شکل میں۔[1]

ب: مسلمانوں کا مطالعہ ہندومت:

ہماری جمع کردہ فہرست میں قبل از تقسیم مسلم علماء اور اسکالرز کی طرف سے اردو زبان میں ہندومت پر تھوڑی کتب ہی سامنے آ سکی ہیں، مثلاً: مرزا محمد کاظم کی الہنود، جو ۱۸۷۶ء میں چھپی[2]، خواجہ حسن نظامی دہلوی کی سری کرشن بیتی[3] جو ۱۹۱۷ء میں چھپی اور ان ہی کی ہندومذہب کی معلومات[4] جو ۱۹۲۷ء میں شائع ہوئی۔ ان میں سے بھی کچھ مناظرانہ انداز کی ہیں۔ یہاں غور طلب امر یہ ہے کہ برِ صغیر پاک وہند میں کہ مسلمان اور ہندو صدیوں اکٹھے رہتے آ رہے تھے اور دونوں مذاہب کے پیروکاروں کے درمیان تعامل، آراء کا تبادلہ، اور روز مرہ زندگی کے تہواروں میں شرکت وغیرہ عام معمول کا حصہ تھے، تو کیا واقعی ایک ہی ملک میں اتنا عرصہ اکٹھا رہنے کے باوجود مسلمانوں نے اپنے ہم وطن ہندوؤں کے مذہب کے مطالعہ کے طرف اتنی توجہ نہیں کی؟ متعدد دیگر قرائن بتاتے ہیں کہ ایسا نہیں تھا، بلکہ اس طرح کے آثار ملتے ہیں کہ کئی عام مفکرین کے علاوہ روایتی مسلم علماء وصوفیاء نے بھی ہندومت کے بارے میں کھلے دل سے تحقیقی انداز فکر اپنایا، اس لیے یہ قیاس کیا جاسکتا ہے کہ ہماری فہرست میں قبل از تقسیم مسلمان مصنفین کی کتب کی کم تعداد کی ایک ممکنہ وجہ ان میں سے بہت سی کتب کا اب نایاب ہو جانا ہے، جن کی کھوج لگانا ایک بڑے تحقیقی منصوبے کا متقاضی ہے۔

چناں چہ تعداد سے قطع نظر جس زمانے کی بات ہو رہی ہے، اس میں مسلمانوں کی طرف سے ہندودھرم کی متعدد کتبِ مقدسہ کے بلند پایہ تراجم سامنے آتے ہیں۔ بقول خلیق انجم گیتا کے ہندوستان کی ہر زبان میں ترجے ہوئے ہیں، مگر اردو میں اس کے تراجم کی تعداد سب سے زیادہ ہے، جو چالیس سے پچاس کے درمیان ہے،[5] جن میں مولانا حسرت موہانی، نظیر اکبر آبادی، خواجہ دل محمد اور یگانہ چنگیزی جیسے بلند پایا اردو شعراء اور ادباء کے تراجم بھی شامل ہیں۔[6] محمد اجمل خان نے تو اپنے گیتا کے ترجمے کا نام ہی نغمۂ خداوندی رکھا[7]، جس سے انتظار حسین قیاس کرتے ہیں کہ گیتا سے مسلمانوں کا کتنا شغف رہا۔

---

[1] https://www.thepakvoice.com/urdu/social/5?page=2 (accessed on 17 March, 2020)

[2] مرزا محمد کاظم، **الہنود** (مراد آباد: گلزار احمدی، ۱۸۷۶ء).

[3] خواجہ حسن نظامی، **سری کرشن بیتی باتصویر** (دہلی: ہلالی پریس، ۱۹۱۷ء).

[4] نظامی، خواجہ حسن دہلوی، **ہندومذہب کی معلومات**، (دہلی: مشائخ بک ڈپو، ۱۹۲۷ء).

[5] خلیق انجم، 'حرف آغاز، مشمولہ **بھگوت گیتا** [منظوم ترجم]، مترجم: شان الحق حقی (نئی دلی: انجمن ترقی اردو ہند، ۱۹۹۴ء)، ۹.

[6] انتظار حسین، **مشمولہ شریمد بھتوت گیتا** [منظوم ترجمہ]، مترجم: خلیفہ عبدالحکیم (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۸ء)، پیش لفظ: ۳.

[7] محمد اجمل خان (مترجم)، **نغمہ خداوندی** (الہ آباد: برقی پریس، ۱۹۳۵ء).

ان کے بقول اس شغف کی تاریخ متحدہ ہندوستان کے اکبری عہد سے شروع ہوتی ہے اور قیام پاکستان کے بعد بھی جاری رہتی ہے۔[1] اگر انتظار حسین کے نقطۂ نظر کو لے کر متحدہ ہندوستان میں مسلمانوں کے مطالعہ ہندومت کی تاریخ کو کریدیں تو معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان فاتحین نے ابتدا ہی سے ہندوؤں سے صابیہ کی مانند "شبہ اہل کتاب" کے طور پر برتاؤ کیا، جس کی مذہبی بنیاد بعض علماء و محققین نے فراہم کی تھی۔ حجاج بن یوسف کے محمد بن قاسم کے نام لکھے گئے حکم نامے[2] اور بعد کے حکمرانوں کی دستاویزات اس امر پر شاہد ہیں کہ اہلِ ذمہ کی مانند ہندوؤں سے جزیہ وصول کیا گیا، ان کے مذہبی راہنماؤں اور عبادت گاہوں کو تحفظ کے ساتھ ساتھ مالی امداد بھی دی گئی، ان کی خواتین سے مسلمان بادشاہوں نے نکاح بھی کیے، یہ تمام احوال متقدمین علماء و بادشاہان کے ہیں۔ اس طرح سیاسی بندوبست کے نتیجے کے میں ہندو مسلم معاشرتی تعامل ایک روز مرہ کی بات تھی، جس کی وجہ سے مسلمانوں کو ہندوؤں کے مذہب اور معاشرت کو سمجھنے کا براہ راست موقع ملتا۔ اس کے علاوہ بعض اوقات دونوں قوموں کے مذہبی راہنماؤں کے درمیان مناظرے بھی وقوع پذیر ہوتے، لہٰذا دونوں ایک دوسرے کی مذہبی تعلیمات، عقائد و رسوم اور تہواروں سے براہِ راست آگاہی رکھتے تھے۔ اس طرح دونوں مذاہب کے پیروکاروں کی ایک دوسرے کے اصلی مصادر تک رسائی بھی قدرے آسان تھی، اس بنا پر ایک دوسرے کے مذاہب کے بارے میں سنجیدہ علمی تحریریں منصۂ شہود پر آتی رہتی تھیں۔[3]

اس تفصیل سے یہ اندازہ کرنا مشکل نہیں کہ ہندوؤں کے بارے میں مسلم آگاہی کی تاریخ اردو زبان کے ظہور سے بہت پرانی ہے۔ مسلمانوں میں سب سے پہلے محمد بن عبدالکریم شہرستانی (۱۱۵۸ء) نے اپنی کتاب الملل والنحل میں 'آراء الہند' کے عنوان سے ہندوستان کے مذاہب پر باب قائم کیا ہے جس میں وہ 'براہمہ' نامی طبقے کا ذکر کرتے ہیں جو غالباً 'برہمن' کی عربی شکل ہے۔ شہرستانی براہمہ کو حضرت ابراہیمؑ کے پیروکار قرار دینے والوں کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ وہ تو سرے سے نبوت ہی کو نہیں مانتے اس لیے ان کا حضرت ابراہیمؑ کا پیرو ہونے کی بات بے بنیاد ہے۔[4] لیکن ان کی کتاب میں تقریباً پندرہ صفحے کے ایک سرسری تذکرے سے زیادہ کوئی معلومات شامل نہیں۔ مسلمان علماء و محققین میں سے پہلی مرتبہ ابوریحان محمد البیرونی (۱۰۵۰ء) نے ہندو مذہب کا تحقیقی اور براہِ راست مطالعہ کیا۔ البیرونی نے نہ صرف ہندومت کے بنیادی مصادر سے استفادہ کیا، بلکہ ہندو پنڈتوں سے براہ راست میل جول اور بات چیت کے بعد ہندوؤں کے خواص کو موحد قرار دیا اور بت پرستی کو عامہ الناس کی جہالت قرار دیا۔[5] انہوں نے یہ خیال ظاہر کیا کہ ایمان

---

[1] انتظار حسین، **مشمولہ شریمد بھگوت گیتا**، پیش لفظ: ۳۔

[2] بلاذری، احمد بن یحیی، **فتوح البلدان** (بیروت: مکتبۃ الہلال، ۱۹۸۸ء)، ۵۳۸۔

[3] Ernst, Carl W., *Muslim Studies of Hinduism? A Reconsideration of Arabic and Persian Translations from Indian Languages, Islamic Studies* 36:2 (2003), 173-195.

[4] الشہرستانی، محمد بن عبدالکریم، **الملل والنحل** (بیروت: دارالفکر، تاریخ ندارد)، ۵۰۶۔

[5] البیرونی، ابوریحان محمد، **کتاب الہند**، مترجم. سید اصغر علی (لاہور: بک ٹاک، ۲۰۱۱ء)، ۱۹-۱۷۔

باللہ اور یومِ آخرت پر اعتقاد کے مبادی یہ ظاہر کرتے ہیں کہ اس دین کی بنیادیں کسی زمانے میں الٰہی ہدایت اور نبوی تعلیمات پر رکھی گئی تھیں، مگر مرورِ زمانہ نے باقی ادیان کی طرح اس کی اصلی صورت بھی مسخ کر ڈالی اور لوگ تحریفِ متن کے سبب گمراہ ہو گئے۔

ہندومت کے بارے میں اس ابتدائی مسلم آگاہی کے بعد جب رفتہ رفتہ ایک مشترکہ زبان کا ظہور ہونا شروع ہوا تو اس میں ہندومت پر بہت سا علمی مواد سامنے آیا۔ اس مرحلے کے مسلم علماء اور اسکالرز کی آراء کا جائزہ لیا جائے، تو ان کی تصنیف کردہ کتب میں دو طرح کے رجحانات دیکھے جا سکتے ہیں:

اوّل: ایک رجحان علماء کے اس گروہ کا ہے جنھوں نے متقدمین کی آراء کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اپنا نقطۂ نظر تشکیل دیا اور ہندومذہب کے براہِ راست مطالعہ کے بعد اس پر رائے زنی کی۔ اس گروہ میں مرزا مظہر جانِ جاناں، قاضی ثناء اللہ پانی پتی، مولانا مناظر احسن گیلانی اور ڈاکٹر حمید اللہ وغیرہ شامل ہیں۔ ہندومذہب اور ثقافت سے کماحقہ واقفیت، متون تک رسائی اور مطالعہ مزید برآں اسلام کے عالمی تصورِ وحی و رسالت پر یقین نے ان علماء کی آراء کی تشکیل و تعبیر میں بنیادی کردار ادا کیا۔ مولانا سید اخلاق حسین صاحب کے ترجمہ کردہ مکتوبِ مرزا مظہر میں سے یہ اقتباس لائق توجہ ہے:

> "(ہندوؤں) کے تمام فرقے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر متفق ہیں اور عالم کو حادث اور مخلوق کہتے ہیں۔ ان کے نزدیک عالم کا فنا ہونا ثابت ہے اور وہ جسمانی حشر اور اعمال کی جزا کے قائل ہیں۔ ان کے عقلی اور نقلی علوم بھی ہیں۔ وہ ریاضتیں اور مجاہدات کرتے ہیں۔۔ان کی بت پرستی از وجہ شرک در الوہیت نہیں ہے... ہندوؤں کا سجدہ تحیت اور تصغیر کا سجدہ ہے۔ عبودیت کا سجدہ نہیں ہے"[1]

اسی طرح قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے اپنی تفسیر میں ہندوؤں کو اہلِ کتاب قرار دینے کی حمایت کی ہے، کیوں کہ وہ وید کو خدائی کتاب قرار دیتے ہیں۔[2] اسی طرح ابوالکلام آزاد بھی ان کی رائے کے مؤید ہیں۔[3] مولانا مناظر احسن گیلانی نے تو یہاں تک کہا کہ جس طرح نصاریٰ نے حضرت مسیح کی طرف ولدیت خداوندی کی جھوٹی تہمت منسوب کی ہے، یونہی ہندومت میں اللہ کے نیک بندوں کی جانب خدائی کے جھوٹے دعوی کا انتساب ہوا، لہٰذا محض اس بنیاد پر ہندومت کو ادیانِ سماوی کی فہرست سے خارج نہیں کیا جا سکتا۔[4] اس رجحان کی ایک نمائندہ کتاب خواجہ حسن نظامی کی ہندومت کی معلومات ہے جو ڈکشنری کے انداز میں ہندومت کے عقائد، مقدس ہستیوں، اور دیگر اصطلاحات کی وضاحت پر مشتمل ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

> "میں نے یہ کتاب جھگڑا، مناظرہ اور ایک دوسرے پر طعن کرنے کے لیے نہیں لکھی۔ بلکہ اس لیے لکھی ہے کہ مسلمان

[1] فاروقی، ابوالحسن زید، **ہندوستانی قدیم مذاہب** (دہلی: حضرت شاہ ابوالخیر اکاڈمی، ۱۹۹۰ء)، ۱۰.

[2] پانی پتی، ثناءاللہ، **تفسیر مظہری** (لاہور: ضیاءالقرآن پبلی کیشنز، ۲۰۰۲ء)، ۵: ۲۴۰.

[3] آزاد، ابوالکلام، **جامع الشواہد** (پٹنہ: خدابخش اورنٹیل پبلک لائبریری، ۱۹۹۳ء)، ص: ۵۵-۵۳.

[4] گیلانی، مناظر احسن، **سوانح قاسمی** (یوپی: دارلعلوم دیوبند، ۱۹۵۳ء)، ۲: ۴۴۹.

قوم ہندو مذہب کے فلسفے کو جانے اور سمجھے۔ اور ناواقفیت سے اس کو جو بدگمانیاں پیدا ہو جاتی ہیں وہ اس کے دل سے دور ہوں"[1]

ان تمام آراء کے مطالعے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب تک سیاسی مصالح اور تہذیبی کش مکش کی واضح مداخلت نہیں ہوئی، مسلمان علماء و مفکرین کا رویہ ہندومت کی جانب کافی حد تک تعصّبات اور تحفظات سے یکسر خالی رہا، بلکہ در حقیقت خوش گوار تعایشِ باہمی اور بھائی چارے کی فضا قائم رہی۔ مگر بعد میں جب قومیت کی سیاست اور اس کے نتیجے میں ہندی اردو تنازعہ کھڑا ہوا تو صورتحال بدلنے لگی۔

دوم: زیرِ بحث تصنیفات کا دوسرا حصہ ان تحریروں پر مشتمل ہے، جو مسلمان علماء اور ہندوؤں کے مابین ہونے والے مذہبی مناظرات کو قلم بند کرنے کے لیے لکھی گئی ہیں۔ مناظروں کا یہ سلسلہ انیسویں اور بیسویں صدیوں پر پھیلا ہوا دکھائی دیتا ہے جب مسیحی پادریوں کی دیکھا دیکھی مقامی آبادی نے اپنے اپنے دین کا دفاع اور دوسرے ادیان کا ابطال عوام کے سامنے مناظروں کی صورت میں کرنا شروع کیا۔ اس ضمن میں راسخ العقیدہ ہندومت کی بجائے 'آریہ سماج' سے مناظروں کا بازار زیادہ گرم رہا۔[2] یہ ہندو مسلم مناظرے علمی سے زیادہ کلامی اور الزامی نوعیت کے تھے اور بیشتر صورتوں میں مسلمان علماء ہی ہندو مناظرین پر غالب آئے اور ان مناظروں کی کاروائیوں کو اسلام کی حقانیت اور ہندومت کے ابطال کی اشاعت کے پیشِ نظر طبع کیا گیا۔ اس رجحان کی مثالوں کے طور پر مولانا قاسم نانوتویؒ کے رسالے ہندومت یعنی انتصار الاسلام[3] اور مولانا ثناء اللہ امر تسریؒ کی ہندومت اور آریہ تحریک پر کتب کا ذکر کیا جا سکتا ہے۔[4]

بعد از تقسیم مسلمانوں کے مطالعۂ ہندومت میں بھی واضح تبدیلی آئی جو تحقیقی موضوعات کے انتخاب، مناہج و اسالیب مطالعہ کے اختیار اور مواد کی تدوین و تصنیف سب میں نمایاں طور پر نظر آتی ہیں۔ اس تبدیلی کا سب سے اہم سبب یقیناً جغرافیائی اور آبادیاتی حقائق کا یکسر بدل جانا تھا۔ تقسیم کے وقت موجودہ ہندوستان میں شامل علاقوں سے مسلمانوں کی پاکستان، اور موجودہ پاکستانی علاقوں میں بسنے والے ہندوؤں کی ہندوستان ہجرت کے سبب ہندوستان میں باقی رہ جانے والے مسلمان اب اپنے آپ کو ایک ایسے معاشرے میں پا رہے تھے، جس میں مسلمانوں کے مقابلے میں ہندو آبادی کی اکثریت پہلے کی نسبت کافی زیادہ ہو گئی تھی جس کے ساتھ ان کا روز مرہ کا تعامل تھا، جس کے نتیجے میں ان کے ہاں مطالعۂ ہندومت میں دلچسپی پہلے کی نسبت زیادہ نظر آتی ہے۔ پھر تقسیم کے بعد ہندوستان بھر میں دیوانا گری رسم الخط میں ہندی زبان ملک کی بنیادی تعلیم کا حصہ بن گئی اور یوں مسلمان بھی ہندی اور دیوانا گری رسم الخط پڑھنے

---

[1] خواجہ حسن نظامی دہلوی، **ہندو مذہب کی معلومات**، ا۔

[2] Metcalf, Barbara Daly, *Imagining Community: Polemical Debates in Colonial India, Religious Controversy in British India: Dialogues in South Asian Languages*, ed. Kenneth W. Jones, (New York: State University of New York Press, 1992), 229-240.

[3] نانوتوی، محمد قاسم، **اسلام اور ہندومت یعنی انتصار الاسلام** (لاہور: ادارۂ اسلامیات، ۱۹۸۱ء)۔

[4] امر تسری، ثناء اللہ، **حق پرکاش بجوابِ ستیارتھ پرکاش** (دہلی: مجلسِ نشر و اشاعت آل انڈیا اہل حدیث کانفرس، ۱۹۶۱ء)؛ ثناء اللہ امر تسری، **تبرِ اسلام بجوابِ نخلِ اسلام** (نئی دہلی: الکتاب انٹرنیشنل، ۱۹۰۹ء)۔

لگے۔ ادھر ہندی زبان کو بھی بتدریج سنسکرت سے زیادہ ہم آہنگ کرنے کا ایک مسلسل سلسلہ شروع ہوا جو ابھی تک جاری ہے۔ اس طرح ہندوستان کے مسلمانوں کے لیے ہندومت کی سنسکرت اصطلاحات زیادہ مانوس بن گئیں۔ یعنی ہندوستان کے مسلمانوں کے لیے ہندومت کو سمجھنے کو عوامل اور وسائل دونوں پہلے کی نسبت زیادہ ہو گئے جس کا نتیجہ ہندوستانی مسلمانوں کی طرف سے بعد از تقسیم ہندومت پر کام کے حجم میں اضافے کی صورت میں سامنے آیا اور یوں اس زمانے میں ان کا کام ہندوؤں کی نسبت بڑھ گیا۔

دوسری طرف تقسیم کے سیاسی اور مذہبی و نفسیاتی اثرات کے تناظر میں پاکستان کی مسلم اکثریتی آبادی کو ملک کی بہت تھوڑی ہندو اقلیت کے مذہب پر مطالعہ و تحقیق کی ضرورت نہ ہونے کے برابر تھی۔ البتہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ جب مغربی دنیا میں زور پکڑتی مطالعۂ ادیان کی تحریک نے عالمِ اسلام پر بھی اثر انداز ہونا شروع کیا اور مسلم معاشروں میں بھی از سرِ نو دوسرے ادیان کے مطالعہ کی لہر چلی، تو پاکستان میں بھی مختلف جامعات اور ادارہ ہائے تحقیق نے تقابلِ ادیان اور تاریخِ ادیان وغیرہ کو نصابی تعلیم اور دائرہ تحقیق میں شامل کیا۔

اس طرح کتب و رسائل کا ایک نیا ذخیرہ وجود میں آیا، جس میں باقی ادیان کے ساتھ ساتھ ہندو مذہب کو بھی محورِ مطالعہ بنایا گیا۔ اس رجحان کی تبدیلی خاص طور پر اکیسویں صدی عیسوی کے شروع سے نظر آتی ہے۔[1] اس ذخیرے میں عالمی ادیان پر لکھی جانے والی تقابلی کتب قدرے اکادیمی طرزِ تصنیف کی پاس دار نظر آتی ہیں جن میں ذیلی طور پر ہندومت کا اجمالی تذکرہ بھی موجود ہوتا ہے۔ اس زمرے میں جو کاوشیں بطور خاص ہندومت ہی کو موضوعِ تحریر بناتی ہیں وہ دو طرح کی ہیں۔ ایک وہ جو اساتذہ کی طرف سے طلبہ و طالبات کی تدریسی و نصابی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے لکھی گئیں اور دوسرے وہ مقالہ جات جو مختلف ڈگریوں کی تحصیل کے لیے طلبہ کی طرف سے لکھے گئے۔[2] تاہم پاکستانی جامعات میں مروج نصابی کتب یا تحقیقی مقالات کا معیار اعلیٰ پائے کا نہیں ہے جس کی بڑی وجہ ہندومذہب کی اصل مصادر کی زبان پر عدمِ دسترس، متون کے موجود تراجم کی پاکستانی جامعات اور لائبریریوں میں عدم دستیابی، نیز تحقیق کے عمومی معیار کی پستی ہے۔ چناں چہ ان درسی کتب و مقالات میں سے اکثر ثانوی مصادر کے حوالوں پر مبنی سطحی تحقیق کا نتیجہ نظر آتے ہیں۔ بحیثیت مجموعی پاکستان میں کیا جانے والا اردو زبان میں ہندومت پر یہ کام متحدہ ہندوستان یا بعد از تقسیم ہندوستان میں چھپنے والی اردو کتب کے مقابلے میں کافی کمزور نظر آتا ہے۔

---

[1] Qamar, Maryam, *Muslim Approaches to the study of Hinduism in Pakistan: A Study of Literature* (Islamabad: MS diss., International Islamic University, 2017), 63-64.

[2] مثلاً دیکھیے محمد فاروق، **اسلام اور ہندو معاشرہ: موازنہ اور تنقیدی جائزہ** (پی ایچ ڈی مقالہ، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد، ۲۰۰۷ء)؛ شائستہ پروین، **ہندوستانی معاشرہ میں تعددِ ازدواج: عیسائیت، ہندوازم اور اسلام کا تقابلی مطالعہ** (پی ایچ ڈی مقالہ، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، ۲۰۰۷ء)؛ ابرار احمد، **ہندوستان میں پائے جانے والے مذاہب میں خدا کا تصور** (تحقیقی مقالہ، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، ۲۰۰۲ء).

قبل از تقسیم زمانے کی طرح موجودہ مرحلے میں ہندومت پر لکھنے والوں میں سے ایک گروہ مذہبی علماء کا بھی ہے، جو دینی و دعوتی مقاصد کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے ہندومت کا تنقیدی مطالعہ کرتے ہیں۔ ان کتب میں اسلام کی حقانیت کا مکمل یقین اور اس کا ابلاغ بنیادی مبدا کی حیثیت رکھتا ہے، لہٰذا ان میں کلامی اندازِ تحریر اور تقابلی مطالعہ کے رجحانات غالب نظر آتے ہیں۔[1] اس رجحان کے مصنفین کا بنیادی مقصد اسلام کی برتری کا اثبات اور ہندومت کی تنقیص ہے، جس کے لیے دونوں مذاہب کے عقائد و عبادات اور رسوم و رواج کا موازنہ کیا جاتا ہے۔

خلاصہ بحث:

ا۔ اردو زبان میں مختلف مذاہب میں علمی کام کی ایک بھرپور روایت رہی ہے، جس میں اسلام کے بعد سب سے زیادہ کام ہندومت پر ہوا ہے اور مذکورہ بالا بحث سے واضح ہوتا ہے کہ اردو میں مطالعۂ ہندومت میں کافی بڑا حصہ ہندومت کی مقدس کتب کے تراجم کی صورت میں سامنے آتا ہے، نیز یہ کہ ہندو کتب کے اردو تراجم میں ہندوؤں کے علاوہ مسلمان مترجمین نے بھی کافی حصہ ڈالا ہے۔

۲۔ یہ بات بھی سامنے آئی ہے کہ مجموعی طور پر اردو میں ہندو مصنفین کا کام مسلمان مصنفین کی نسبت کافی زیادہ رہا ہے، مگر تقسیم کے بعد اردو کی مسلم شناخت کا تصور پختہ ہونے سے ہندو مصنفین کی طرف سے اس زبان میں قلم اٹھانے کا رجحان یک لخت کم ہو گیا۔ دوسری طرف تقسیم کے بعد ہندوستان میں باقی رہ جانے والے مسلمانوں کی طرف سے مطالعۂ ہندومت میں پہلے کی نسبت زیادہ سرگرمی دیکھنے میں آ رہی ہے، جب کہ برصغیر کی تقسیم کے بعد پاکستان میں ہندومت پر ہونے والے کام کا معیار پہلے کی نسبت بہت گر گیا، جس کی بڑی وجہ ہندوؤں سے میل جول اور مشاہدے کے مواقع میں کمی، نیز ہندومت کے اصلی مصادر کی عدم دستیابی نظر آتی ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ اگر علاقائی سطح پر کہیں کثیر مذہبی ماحول نہ بھی پایا جاتا ہو، تو گلوبلائزیشن کسی حد تک ایک عامل کے طور پر اپنا رنگ دکھا رہی ہے، جس کا ایک شاخسانہ دنیا بھر میں مطالعۂ مذاہب کے مضمون کی ترویج ہے، جس میں پاکستان بھی شامل ہے۔ چناں چہ پاکستان کی متعدد یونیورسٹیوں میں تقابل ادیان کے شعبہ جات وجود میں آ رہے ہیں، جن میں دیگر ادیان کے ساتھ ساتھ ہندومت پر بھی علمی کام ہو رہا ہے۔ اگرچہ ان شعبہ جات میں ہونے والے تحقیقی کام کا حجم اور معیار بھلے عالمی جامعات کا مقابلے کا نہ ہو مگر یہ اس منزل کی جانب ایک شروعات ضرور ہو سکتی ہے۔

۳۔ بہر حال ان نتائج سے واضح ہوتا کہ ہندی اردو تنازعہ اور برصغیر کی مذہبی بنیادوں پر تقسیم نے اردو زبان میں ہندو مذہب پر کام میں مقداری اور معیاری ہر دو لحاظ سے گہرے اثرات مرتب کیے، جس سے یہ عمومی نتیجہ بھی اخذ کیا جا سکتا ہے کہ مطالعۂ مذاہب کا مضمون کثیر مذہبی معاشروں میں پروان چڑھتا ہے۔ نیز یہ کہ مطالعۂ مذاہب جیسے شعبے میں معروضیت کے دعوؤں میں مبالغہ آرائی مناسب نہیں۔ جامعات میں معروضی تحقیق کی کوشش تو بجا، مگر اس حوالے سے ممکنہ تاریخی، ثقافتی، اور سیاسی عوامل کو مصنوعی

[1] مثلاً دیکھیے؛ محمد نعیم الدین، مرتب: نعیمی، غلام معین الدین، **احقاقِ حق: قرآنِ کریم پر ستھیارتھ پرکاش کے اعتراضات کا جواب** (لاہور: فرید بک سٹال، ۲۰۰۰ء).

طور پر چھپانے کی بجائے انہیں دیانت دارنہ تنقید و تحقیق کی روشنی میں سامنے لانا منہجی اور اخلاقی طور طور پر زیادہ حقیقت پسندانہ اور قرین انصاف ہوگا۔

@ 2020 by the author, this article is an open access article distributed Under the terms and conditions of the Creative Commons Attribution (CC-BY) (http://creativecommons.org/licenses/by/4.0/)